THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4, No.1, 2026

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

مستشرقین کے اہداف و مقاصد، مستشرقین کی علمی خدمات

The Aims and Objectives of Orientalists and Their Scholarly Contributions

1. Dr. Abdul Haseeb
Lecturer, Punjab Tianjin University of Technology, Lahore
2. Dr. Hifsa Shabbir
Visiting Lecturer, Punjab Tianjin University of Technology, Lahore
3.Shazia Majeed
Visiting Lecturer, Punjab Tianjin University of Technology, Lahore

Abstract
This study examines the historical development, objectives, and scholarly contributions of Orientalism, particularly in Islamic and Qur'anic studies. It explores the influence of religious, political, colonial, and academic factors on Orientalist scholarship and highlights its contributions to manuscript preservation, translation, Arabic linguistics, and the study of Islamic history and literature.
The study also critically evaluates the limitations of certain Orientalist interpretations influenced by theological assumptions, Eurocentric perspectives, and colonial interests. It concludes that Orientalist scholarship should be neither wholly accepted nor entirely rejected. Instead, its claims should be assessed through objective, evidence-based, and balanced research to promote a deeper understanding of Islamic civilization and constructive academic dialogue between Muslim and Western scholars.
Keywords: Orientalism, Orientalists, Aims and Objectives, Scholarly Contributions, Islamic Studies, Qur'anic Studies, Colonialism, Research Methodology.

استشراق کا لغوی، اشتقاقی اور اصطلاحی مفہوم:

استشراق کی اصطلاح اپنے لغوی اور اشتقاقی پس منظر میں ایک خاص تاریخی ارتقار کھتی ہے۔ عربی لغت اور صرفی قواعد کی رو سے لفظ "استشراق" کا مادہ تین حروف "ش-ر-ق" پر مشتمل ہے، جس کا بنیادی مفہوم روشنی، چمک اور سورج کے طلوع ہونے کی جگہ (مشرق) پر دلالت کرتا ہے[1]۔ جب اس سہ حرفی مادے کو علمِ صرف کے بابِ 'استفعال' کے سانچے میں ڈھالا جاتا ہے اور اس پر الف، سین اور تا کا اضافہ کیا جاتا ہے، تو اس میں "طلب" (کسی چیز کو تلاش کرنا یا مانگنا) اور "تحول" (ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل ہونا) کا معنی سمو جاتا ہے[2]۔ چنانچہ لغوی اعتبار سے "استشراق" کا مطلب مشرق کی طلب کرنا، یا مشرقی علوم، زبانوں اور تہذیب کی جستجو کرنا ہے[3]۔

[1] الراغب الاصفہانی، مفردات الفاظ القرآن، 451۔
[2] محمد عبد الخالق عضیمہ، المغنی فی تصریف الافعال، 130۔
[3] شرف الدین اصلاحی، مستشرقین، استشراق اور اسلام (اعظم گڑھ: معارف دار المصنفین، 1986ء)، 48۔

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4, No.1, 2026

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

جدید عربی ماہرینِ لسانیات نے صراحت کی ہے کہ یہ لفظ قدیم عربی معاجم میں اپنے موجودہ مفہوم کے ساتھ درج نہیں تھا، بلکہ یہ ایک جدید وضع کردہ اصطلاح ہے جسے مغربی زبانوں کے الفاظ Orientalism) اور (Orientalist کے دقیق عربی متبادل کے طور پر اپنایا گیا۔ یورپی زبانوں میں اس کا ماخذ لاطینی لفظ "Orient" ہے، جس کا مفہوم طلوع ہونا، کسی چیز کے بارے میں معلومات جمع کرنا اور سمت کا تعین کرنا ہے۔ فرانسیسی اور انگریزی زبانوں میں اس سے مراد فکری حواس کو کسی خاص سمت، بالخصوص مشرقی علوم کی جانب موڑنا اور رہنمائی کرنا ہے۔

اصطلاحی سطح پر، استشراق کا مفہوم محض ایک فرد کی سرگرمی نہیں بلکہ ایک باقاعدہ فکری و علمی دھارے کا نام ہے۔ عمومی تعبیر کے مطابق، استشراق سے مراد مغربی مفکرین اور محققین کی جانب سے مشرق—بالخصوص عالمِ اسلام—کے عقائد، تاریخ، آداب، زبانوں اور تہذیب کا سائنسی و منظم مطالعہ ہے۔ تاریخی اعتبار سے لفظ "مستشرق (Orientalist) "کا انگریزی زبان میں استعمال 1779ء میں اور "استشراق" کا فرانسیسی اکیڈمی کی لغت میں اندراج 1838ء میں ہوا، تاہم فرانسیسی مستشرق سلفسٹر ڈی ساسی (Silvestre de Sacy) نے اسے 1810ء میں باقاعدہ علمی عرف میں متعارف کروادیا تھا۔

مختلف اہلِ علم نے استشراق کی اصطلاحی حدود کو اپنے زاویۂ نگاہ سے متعین کیا ہے۔ کلاسیکی مغربی محققین، جیسے جرمن مستشرق روڈی پارٹ (Rudi Paret)، اسے بنیادی طور پر "فقہِ اللغہ (Philology) "اور مشرقی زبانوں کی تفہیم کا نام دیتے ہیں۔ برنارڈ لیوس کے نزدیک یہ یا تو فنون کی ایک شاخ ہے یا پھر ایک خالص علمی تخصص۔ مسلم اور عرب اہلِ علم اس اصطلاح کو تہذیبی کشمکش کے وسیع تر تناظر میں دیکھتے ہیں۔ احمد حسن زیات اور استاذ فاروق عمر فوزی کے مطابق، یہ مغربیوں کی جانب سے مشرق کی زبانوں، ماضی و حال اور عقائد کا تنقیدی مطالعہ ہے۔ ڈاکٹر محمود حمدی زقزوق اور مالک بن نبی اسے محض ایک علمی مشغلہ تسلیم نہیں کرتے، بلکہ ان کے نزدیک یہ ایک ایسا فکری کارخانہ ہے جس نے مغرب اور عالمِ اسلام کے درمیان تہذیبی تصادم کا خاکہ مرتب کیا اور اسلامی افکار کو مغربی استعماری مفروضات کے سانچے میں پیش کیا[1]۔

جدید فکری تاریخ میں استشراق کی سب سے جامع اور تنقیدی تعریف ایڈورڈ سعید (Edward Said) نے پیش کی۔ ان کے نزدیک استشراق کوئی غیر جانبدار اکادمی تحقیق نہیں، بلکہ یہ ایک ادارہ جاتی بیانیہ (Discourse) ہے جس کے ذریعے مغرب نے مشرق پر غلبہ پانے، اس کی تنظیمِ نو کرنے اور اس پر اپنا سیاسی و فکری تسلط قائم کرنے کا جواز فراہم کی[2]۔ سعید کے مطابق مشرق کے بارے میں پڑھنے، لکھنے یا تحقیق کرنے والا ہر شخص مستشرق ہے، اور اس کا یہ عمل شرق شناسی کہلاتا ہے۔

استشراق کے اس مفہومی اور تاریخی ارتقاء پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ اپنے لسانی آغاز میں "روشنی اور مشرق کی طلب" جیسے مثبت مفہوم کا حامل تھا، مگر اپنے عملی اور علمی سفر میں یہ شدید فکری اور سیاسی محاذ آرائی کا مرکز بن گیا۔ مستشرقین کی تمام تر کاوشوں کو یکسر استعماری سازش قرار دینا علمی دیانت کے خلاف ہوگا، کیونکہ انہوں نے مشرقی زبانوں، مخطوطات اور تاریخ کی دریافت میں نمایاں کام کیا ہے۔ تاہم بحیثیت

[1] یوسف محمد حسین، موقف مالک بن نبی من الفکر الغربی الحدیث (الجزائر: دار الخلدونیۃ، 2010ء)، 333۔

[2] ایڈورڈ سعید، الاستشراق، مترجم کمال ابو دیب (بیروت: مؤسسۃ الابحاث العربیۃ، 1984ء)، 38۔

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4, No.1, 2026

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

مجموعی، استشراق ایک ایسی اصطلاح بن چکی ہے جس میں سائنسی جستجو کے ساتھ ساتھ مغربی فکری بالادستی اور مشرق کو ایک محکوم وجود کے طور پر پیش کرنے کا رویہ گہرائی تک پیوست ہے۔

1.2 استشراق کا تاریخی پس منظر اور ارتقائی مراحل

تحریکِ استشراق کا آغاز کوئی اچانک رونما ہونے والا واقعہ نہیں، بلکہ یہ اسلامی اور مغربی تہذیبوں کے مابین صدیوں پر محیط فکری، مذہبی اور سیاسی تعامل کا تسلسل ہے۔ اس کا تاریخی ارتقا مختلف ادوار میں مختلف مقاصد اور مناہج کے تحت پروان چڑھا، جس میں قرونِ وسطیٰ کے الہیاتی مناظروں سے لے کر جدید دور کی منظم جامعاتی تحقیق تک کے مختلف مراحل شامل ہیں۔

قرونِ وسطیٰ اور ابتدائی مسیحی و کلیسائی پس منظر

استشراق کے ابتدائی نقوش قرونِ وسطیٰ میں اس وقت ابھرے جب اسلام کی تیزی سے پھیلتی ہوئی فتوحات نے عیسائی دنیا کے الہیاتی اور کلیسائی حلقوں کو چوکنا کر دیا۔ اس دور میں مغربی اہلِ علم کی توجہ کا بنیادی مرکز اندلس (ہسپانیہ) تھا، جہاں انہوں نے مسلم علماء سے مختلف علوم حاصل کیے۔ دسویں اور بارہویں صدی عیسوی میں مغربی راہبوں، جیسے فرانسیسی پادری جربرٹ ڈی اورلیاک (Gerbert d'Aurillac) اور جیرارڈ آف کریمونا (Gerard of Cremona)، نے عربی کتابوں اور اسلامی متون کے تراجم کا آغاز کیا تاکہ مشرقی افکار کو یورپ منتقل کیا جا سکے۔[1] اس دور کا لٹریچر بنیادی طور پر مناظرانہ اور دفاعی نوعیت کا تھا۔ اس کا مقصد اسلام کی تعلیمات کے گرد شکوک و شبہات پیدا کرنا اور عیسائی عوام کو اسلام کے بڑھتے ہوئے اثرات سے محفوظ رکھنا تھا۔ استشراق کے باقاعدہ آغاز کے حوالے سے محققین میں اختلاف پایا جاتا ہے؛ بعض اسے 1311ء کی ویانا کونسل (Council of Vienne) سے جوڑتے ہیں، جہاں یورپی جامعات میں عربی زبان کی تدریس کی منظوری دی گئی، جبکہ فرانسیسی مستشرق مکسیم روڈنسن (Maxime Rodinson) جیسے محققین اس کا نقطۂ آغاز 1492ء میں سقوطِ غرناطہ کو قرار دیتے ہیں۔[2]

نشاۃِ ثانیہ اور متون کے تراجم میں وسعت

یورپ میں نشاۃِ ثانیہ (Renaissance) کے بعد مشرقی علوم کے مطالعے میں ایک واضح تبدیلی رونما ہوئی۔ مغرب نے مشرق کو محض ایک مذہبی حریف کے بجائے سائنسی، طبعی اور لسانی تجسس کے زاویے سے دیکھنا شروع کیا۔ اس دور میں قرآنی متون، احادیث اور اسلامی تاریخ کے براہِ راست تراجم کا دائرہ وسیع ہوا تاکہ مشرقی اقوام کی زبانوں اور فلسفے کو ان کے اصل مصادر سے سمجھا جا سکے۔ اگرچہ اس مطالعے میں علمی لگن شامل تھی، لیکن اس کا ایک بڑا حصہ اب بھی اسلام کی فکری تنقید کے لیے مواد فراہم کرنے کے زیرِ اثر تھا۔

اٹھارہویں اور انیسویں صدی: ادارہ جاتی تشکیل اور استعماریت

اٹھارہویں اور انیسویں صدی استشراق کے ارتقا کا سب سے اہم مرحلہ ہے، جب اسے ایک باقاعدہ ادارہ جاتی اور سائنسی علم (Academic Discipline) کی حیثیت حاصل ہوئی۔ انگلستان میں 1779ء اور فرانس میں 1799ء کے لگ بھگ "استشراق" کی اصطلاح باقاعدہ علمی حلقوں

---

[1] مصطفیٰ السباعی، الاستشراق والمستشرقون: مالہم وما علیہم (کویت: مکتب دار البیان، 1968ء)، 17-18۔

[2] احمد سمایلوویتش، فلسفۃ الاستشراق وأثرہا فی الادب العربی المعاصر (قاہرہ: دار الفکر العربی، 1998ء)، 24۔

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4, No.1, 2026

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

میں رائج ہونے لگی اور 1838ء میں اسے فرانسیسی اکیڈمی کی لغت میں باقاعدہ شامل کر لیا گیا۔[1] 1873ء میں پیرس میں مستشرقین کی پہلی بین الاقوامی کانگریس کا انعقاد اسی منظم علمی پیش رفت کا مظہر تھا۔ تاہم، اس دور میں استشراقی مطالعہ محض علمی تجسس تک محدود نہیں رہا، بلکہ اس کا گہرا ربط یورپی نو آبادیاتی (Colonial) مقاصد کے ساتھ استوار ہو گیا۔ مستشرقین نے مشرقی زبانوں، تہذیبوں اور قوانین کا مطالعہ اس لیے منظم کیا تاکہ نو آبادیاتی طاقتیں اپنے زیرِ تسلط مشرقی اور اسلامی ممالک پر موثر انتظامی، سیاسی اور نفسیاتی گرفت قائم رکھ سکیں۔

بیسویں صدی میں تحقیقی مناہج کا فروغ

بیسویں صدی میں استشراق نے تاریخی-تنقیدی (Historical-Critical) اور لسانیاتی (Philological) مناہج کو اختیار کیا۔ اس دور کے مستشرقین نے دنیا بھر کی لائبریریوں سے نایاب عربی و اسلامی مخطوطات تلاش کیے، ان کی تدوین کی اور فہارس مرتب کیں۔ علمی دیانت کے ان کارناموں کے باوجود، اسی دور میں اسلامی علوم کے بنیادی مفروضات—جیسے وحی کی حقانیت اور تدوینِ حدیث کی سچائی—کو تاریخی ریڈیکل تشکیک کا نشانہ بھی بنایا گیا۔

جدید دور: استشراق سے جدید اسلامی مطالعات کی طرف منتقلی

دوسری جنگِ عظیم اور نو آبادیاتی نظام کے خاتمے کے بعد، استشراق کے روایتی ڈھانچے اور اصطلاح میں شدید بحران پیدا ہوا۔ استشراق کے ساتھ جڑے استعماری اور نفی پسندانہ تاثرات کی وجہ سے 1973ء میں پیرس میں منعقدہ 29ویں عالمی کانگریس میں اس اصطلاح کو ترک کرنے کا باقاعدہ فیصلہ کیا گیا اور اس کی جگہ "ایشیائی مطالعہ جات (Asian Studies) "اور "مشرقِ وسطیٰ کے مطالعہ جات (Middle Eastern Studies) " جیسی اصطلاحات متعارف کروائی گئیں۔ عصرِ حاضر میں روایتی مستشرقین خود کو "ایریا اسٹڈی اسپیشلسٹ (Area Study Specialist) " یا ماہرینِ اسلامیات کہلوانا پسند کرتے ہیں۔[2]

اس تاریخی ارتقا کا تحلیلی جائزہ یہ واضح کرتا ہے کہ تحریکِ استشراق ایک خطِ مستقیم میں سفر نہیں کرتی رہی۔ قرونِ وسطیٰ میں جس تحریک کا آغاز کلیسائی خوف اور مناظرانہ ردعمل کے طور پر ہوا، وہ انیسویں صدی میں استعماری طاقتوں کے سیاسی غلبے کا علمی ہتھیار بن گئی، اور بیسویں صدی میں اس نے جدید سائنسی مناہج کے قالب میں ڈھلنے کی کوشش کی۔ یہ تاریخی تسلسل ثابت کرتا ہے کہ استشراق کی تاریخ محض مغربی جامعات میں مشرقی علوم کی ترویج کی داستان نہیں، بلکہ یہ مغرب اور عالمِ اسلام کے مابین ابھرنے والے تہذیبی و فکری رویوں کی ایک پیچیدہ اور ہمہ گیر تاریخ ہے۔

1.3 مستشرقین کا تحقیقی طریقۂ کار اور علمی مناہج

مستشرقین نے اسلامی متون، تاریخ اور تہذیب کے مطالعے کے لیے مخصوص تحقیقی مناہج (Research Methodologies) استوار کیے، جن کا مقصد مشرقی علوم کو مغربی سائنسی اور تنقیدی معیار پر پرکھنا تھا۔ ان مناہج نے جہاں ایک طرف کلاسیکی متون کی تدوین میں تکنیکی مہارت

---

[1] ایضاً۔

[2] سید ابوالحسن علی ندوی، الاسلامیات بین کتابات المستشرقین (بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، 1986ء)، 15-16۔

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4, No.1, 2026

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

متعارف کروائی، وہیں دوسری طرف ان کے پس پشت موجود مغربی مفروضات نے کئی پیچیدہ علمی و فکری مباحث کو جنم دیا۔ ان مناہج میں لغوی، تاریخی، اور متنی تنقید نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔

لغوی و لسانی منہج (Philological Method) استشراقی تحقیق کا ایک بنیادی اور ابتدائی خاکہ ہے۔ سلفسٹر ڈی ساسی (Silvestre de Sacy) اور برنارڈ لیوس (Bernard Lewis) جیسے محققین کے نزدیک مشرقی زبانوں، ادبیات اور متون کا سائنسی مطالعہ ہی اصل استشراق ہے[1]۔ اس منہج کے تحت مشرقی زبانوں کی ساخت، قواعد اور الفاظ کی جڑوں کا عمیق مطالعہ کیا گیا۔ اس تکنیکی اور لسانی مہارت کی بدولت بلاشبہ نایاب مخطوطات کی تصحیح، متون کی اشاعت اور لغوی نقد میں گراں قدر پیش رفت ہوئی، تاہم بعض اوقات محض لسانی ساخت پر حد سے زیادہ زور دینے کے باعث متن کے اصل تہذیبی اور روحانی مفہوم کو نظر انداز کر دیا گیا۔

تاریخی و تنقیدی منہج (Historical-Critical Method) کے ذریعے مستشرقین نے اسلامی تاریخ اور نصوص پر مغربی تنقیدی معیارات کا اطلاق کیا۔ اس منہج کا بنیادی اصول یہ تھا کہ تاریخی مواد کو معروضی بنیادوں پر پرکھا جائے اور روایات کا تاریخی تسلسل تلاش کیا جائے۔ اگرچہ اس طریقے نے تاریخی مواد کی تنظیم اور اشاریہ سازی میں اہم کردار ادا کیا، لیکن اس کا ایک بڑا منہجی نقص یہ تھا کہ یہ عموماً روشن خیالی (Enlightenment) کے عقلیت پسندانہ اور مغربی تعبیراتی مفروضات سے آلودہ رہا[2]۔ مستشرقین نے اس منہج کے اطلاق کے دوران اسلام کے بنیادی مسلّمات — خصوصاً وحی کی حقانیت اور تدوینِ حدیث کی سچائی — کو ریڈیکل تشکیک (Radical Skepticism) کا نشانہ بنایا، جس کی بنیاد سائنسی شواہد سے زیادہ قیاس آرائیوں پر استوار تھی[3]۔

متنی و ماخذی تنقید (Textual and Source Criticism) کے تحت مستشرقین نے کلاسیکی متون کے مصادر، اسناد اور ان کی تاریخی صحت کا تجزیہ کیا۔ اس منہج کے استعمال میں تمام مستشرقین کا رویہ یکساں نہیں تھا۔ ژاک وارڈن برگ (Jacques Waardenburg) جیسے محققین نے پدیداتی (Phenomenological) زاویے سے اسلام کا مطالعہ کیا، جس میں یہ دیکھا گیا کہ مغربی علماء کی اپنی ثقافتی اور مذہبی نفسیات کے آئینوں میں اسلام کا انعکاس کس طرح ہوتا ہے۔ اس سے یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ متون کی تحقیق محض ایک غیر جانبدار تکنیکی عمل نہیں، بلکہ تعبیر و تشریح کے وقت یہ محقق کے اپنے تہذیبی و فکری مفروضات کی مرہونِ منت ہو جاتی ہے۔

مستشرقین کے ان مناہج پر مسلم اہلِ علم کا موقف محض معذرت خواہانہ یا جذباتی ردِ عمل پر مبنی نہیں رہا، بلکہ انہوں نے خالص علمی اور منہجی نقد (Methodological Criticism) کے ذریعے ان کا محاسبہ کیا۔ عبداللطیف طیباوی اور محمد مصطفیٰ الاعظمی جیسے محققین نے یہ ثابت کیا کہ مستشرقین کے پیدا کردہ شکوک و شبہات کا بہترین جواب یہ ہے کہ انہی کے مقرر کردہ تاریخی تنقید اور تدوینِ متن کے اصولوں کو استعمال کرتے

---

[1] Silvestre de Sacy, *Grammaire arabe* (Paris, 1810); Bernard Lewis, "The Question of Orientalism" (1982).

[2] محمد مصطفیٰ الاعظمی، *On Schacht's Origins of Muhammadan Jurisprudence* (1996)۔

[3] ولیم منٹگمری واٹ کے فکری رویوں اور تاریخی مناہج پر تنقید کے لیے ملاحظہ کریں: A. L. Tibawi, "English-speaking Orientalists," *Islamic Quarterly* (1964)۔

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4, No.1, 2026

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

ہوئے ان کے قیاسات کو علمی بنیادوں پر باطل ثابت کیا جائے۔ مسلم محققین کا یہ منہجی نقطہ نظر واضح کرتا ہے کہ استشراقی مناہج کی تکنیکی افادیت سے انکار کیے بغیر، ان کی فکری حدود اور تعصبات کا سائنسی تنقید کے ذریعے تدارک ناگزیر ہے۔

1.4 اسلامی متون کی تلاش اور تحقیقی و تدوینی رجحانات

مغربی علمی حلقوں میں اسلامی متون اور مخطوطات کی تلاش کا رجحان اندلس اور صقلیہ کے راستے ہونے والے ابتدائی تہذیبی و فکری رابطوں کے دوران پیدا ہوا۔ قرونِ وسطیٰ میں جب مغربی راہبوں اور محققین نے عربی کتب کے تراجم کا آغاز کیا، تو انہیں اسلامی دنیا کے وسیع علمی ذخیرے اور اس کی اہمیت کا بخوبی اندازہ ہوا۔[1] رفتہ رفتہ مشرقِ وسطیٰ اور دیگر اسلامی مراکز سے مخطوطات کی تلاش اور ان کی یورپ منتقلی کا ایک باقاعدہ سلسلہ شروع ہوا، جس کے نتیجے میں یورپی کتب خانوں اور علمی اداروں میں نادر عربی و اسلامی مخطوطات کے بڑے مجموعے جمع ہونا شروع ہو گئے۔

جب مخطوطات کا یہ وسیع ذخیرہ مغربی کتب خانوں میں پہنچا تو مستشرقین نے سب سے پہلے ان کی درجہ بندی اور اشاریہ سازی (Cataloging) پر توجہ مرکوز کی۔ انہوں نے دنیا بھر کی لائبریریوں کی چھان بین کر کے نایاب اسلامی مخطوطات دریافت کیے اور ان کی باقاعدہ فہارس مرتب کیں۔ اس منظم تلاش نے کلاسیکی متون کی تحقیق، لغوی نقد اور اشاعت کے لیے ایک ٹھوس بنیاد فراہم کی، جسے ابتدائی کلاسیکی اکادمی اور فلولوجیکل مکتبِ فکر، بالخصوص سلفسٹر ڈی ساسی (Silvestre de Sacy) جیسے محققین نے پروان چڑھایا۔

مستشرقین کا یہ تدوینی رجحان محض متون کی نقل یا اشاعت تک محدود نہیں تھا، بلکہ انہوں نے قدیم مخطوطات کی تحقیق کے لیے باقاعدہ تکنیکی اصول وضع کیے۔ متون کی تدوین کے دوران اپنی طرف سے ترمیم کرنے کے بجائے، مختلف قلمی نسخوں کے اختلافات کو حاشیے میں "فروقِ نسخ " (Critical Apparatus) کے طور پر درج کرنے کا طریقہ اپنایا گیا۔ مزید برآں، جہاں لغوی یا نحوی اغلاط واضح ہوتیں، وہاں قواعدِ زبان اور تاریخی شواہد کی روشنی میں "متونی قیاس (Conjectural Emendation) " کے ذریعے تصحیح کی جاتی تھی۔

اس تحقیقی رویے کی ایک نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ مستشرقین نے مخطوطات کے صرف ظاہری متن پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ ان کے تاریخی حواشی کو بھی بنیادی ماخذ تسلیم کیا۔ مخطوطات پر درج مالکان کی تفصیلات (تملکات)، اوقاف کی عبارات اور خاص طور پر علماء کی طرف سے دی گئی "اجازتوں (Ijāzāt) " کو کتاب کی روایت اور اسناد کی تصدیق کا ایک اہم ذریعہ مانا گیا۔ ڈاکٹر قاسم السامرائی اور الازہر کے علماء کے مطالعات بھی اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ مستشرقین کی اس باریک بینی نے متون کی تاریخی اور روایتی حیثیت کو جانچنے میں اہم کردار ادا کیا۔

مجموعی طور پر، اسلامی متون کی اس منظم تلاش اور ابتدائی تدوین نے مغربی اسلامی مطالعات کو ایک مستحکم اور ادارہ جاتی شکل دی۔ گو کہ اس سرگرمی کا ایک مقصد استعماری غلبے کے لیے مشرقی افکار کو سمجھنا بھی تھا، لیکن اس کے نتیجے میں بکھرے ہوئے مخطوطات سائنسی بنیادوں پر منظم ہوئے اور کلاسیکی متون کو جدید تحقیقی معیارات کے ساتھ علمی دنیا کے سامنے لانے کا راستہ ہموار ہوا۔

2۔ مستشرقین کے اہداف و مقاصد

[1] مصطفیٰ السباعی، الاستشراق والمستشرقون: مالہم وما علیہم (کویت: مکتب دار البیان، 1968ء)، 17-18۔

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4, No.1, 2026

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

2.1دینی وتبشیری محرکات

تحریکِ استشراق کی تاریخ اور اس کے مقاصد کا تنقیدی جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اس کی بنیادوں میں دینی اور تبشیری (Missionary) محرکات نے سب سے بنیادی اور کلیدی کردار ادا کیا۔ مشرق اور مغرب میں اسلام کے تیزی سے پھیلاؤ نے مسیحی دنیا، بالخصوص رجالاتِ لاہوت (Christian theologians) کی توجہ فوری طور پر اس نئے دین کی جانب مبذول کروائی[1]۔ قرونِ وسطیٰ میں عیسائی کلیسا نے اسلام کو اپنے وجود اور عقیدے کے لیے ایک زبردست خطرہ تصور کیا، جس کے نتیجے میں اسلاموفوبیا (Islamophobia) کی وہ لہر پیدا ہوئی جس نے مغربی علمی حلقوں کو اسلام کے مطالعے پر مجبور کیا۔ اس ابتدائی مطالعے کا مقصد اسلام کی غیر جانبدارانہ تفہیم ہرگز نہیں تھا، بلکہ اس کا ہدف ایک ایسا مناظرانہ (Polemical) اور دفاعی بیانیہ تشکیل دینا تھا جو مسیحی عوام کو اسلام کے اثرات سے دور رکھ سکے۔

ان تبشیری اور مذہبی مقاصد کے حصول کے لیے مشنری اداروں نے یہ محسوس کیا کہ مسلمانوں میں عیسائیت کی ترویج اور ان کے عقائد کو متزلزل کرنے کے لیے عربی زبان اور اسلامی مصادر کا براہِ راست مطالعہ ناگزیر ہے۔ چنانچہ قرآن مجید، سیرتِ نبوی ﷺ اور اسلامی تاریخ کے مطالعے کا آغاز ایک خاص تنقیدی اور متعصبانہ زاویے سے کیا گیا۔ مستشرقین کی دور بین نگاہوں نے اسلامی متون میں ایسے پہلو تلاش کرنے کی کوشش کی جنہیں بنیاد بنا کر قرآن، شریعت اور سیرتِ نبوی ﷺ کی ایک ایسی تاریک تصویر پیش کی جا سکے جو قاری کو حقائق سے برگشتہ کر دے[2]۔ اس علمی سرگرمی کا بنیادی ہدف رسالتِ محمدی ﷺ کی حقانیت کے حوالے سے شکوک و شبہات پیدا کرنا (التشکیک فی صحۃ رسالۃ النبی) اور دینِ اسلام کی تعلیمات کو مسخ کر کے پیش کرنا تھا[3]۔

سولہویں صدی کی 'اصلاحِ مذہب (Protestant Reformation)' کی تحریک نے بھی ان دینی محرکات کو مزید مہمیز دی، کیونکہ مختلف مسیحی مکاتبِ فکر نے اسلام کے خلاف لکھے گئے لٹریچر کو اپنے اپنے مذہبی بیانیے اور کلیسائی مقاصد کی تقویت کے لیے بھی استعمال کیا۔ قرآن اور اسلامی مصادر کے ابتدائی یورپی تراجم کا جائزہ اس بات کا شاہد ہے کہ ان کے دیباچوں اور حواشی میں تبشیری ذہنیت اور اسلام کے خلاف معاندانہ رویہ واضح طور پر کارفرما تھا۔ ان تراجم کا مقصد عیسائی مبلغین کو وہ فکری مواد فراہم کرنا تھا جس کی مدد سے وہ مسلم ممالک میں جا کر اسلام پر اعتراضات قائم کر سکیں۔

تاہم، استشراقی روایت کا تجزیہ کرتے ہوئے یہ توازن برقرار رکھنا ضروری ہے کہ تمام مستشرقین کو کلیتاً ایک ہی تبشیری ایجنڈے کا پابند نہیں قرار دیا جا سکتا۔ اگرچہ استشراق کا ابتدائی اور غالب خاکہ کلیسائی اور مشنری مقاصد پر استوار تھا، اور ایک طویل عرصے تک یہ مطالعہ انہیں مناظرانہ اہداف کے زیرِ اثر رہا، لیکن وقت کے ساتھ ساتھ اس میں ایسے محققین بھی شامل ہوئے جنہوں نے مذہبی تعصبات سے ہٹ کر محض علمی اور لسانی

---

[1] محمود حمدی زقزوق کے بیان کے مطابق، اسلام کے پھیلاؤ نے لاہوتیوں کی توجہ کھینچی اور یہیں سے استشراق کی بنیاد پڑی۔ (ملاحظہ ہو: مقدمہ، الاستشراق والخلفیۃ الفکریۃ للصراع الحضاري)۔

[2] اسلام اور مستشرقین، جلد 6 (اعظم گڑھ: دار المصنفین شبلی اکیڈمی)، 258۔

[3] ساسی سالم الحاج، اتجاھرتو الإستشراقیۃ واثرھا فی الدراسات الاسلامیۃ (لبنان: دار المدار الإسلامي، 2002ء)، 17۔

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4, No.1, 2026

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

تجسس کی بنیاد پر مشرقی علوم کا رخ کیا۔ اس کے باوجود، تحریکِ استشراق کے اس ابتدائی تبشیری پہلو نے مغربی ذہن کی ایسی تشکیل کی جس نے مغرب میں اسلام کے مطالعے کو صدیوں تک تعصب کی ایک مخصوص فضا میں مقید رکھا۔

2.2 استعماری و سیاسی مقاصد

تحریکِ استشراق کا ایک نہایت اہم پہلو اس کا یورپی استعماریت (Colonialism) اور سیاسی مفادات کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں جب یورپی طاقتوں نے مشرق—بالخصوص عالمِ اسلام—میں اپنی سیاسی اور عسکری توسیع کا آغاز کیا، تو انہیں ان نئے مقبوضہ خطوں پر موثر حکمرانی کے لیے مشرقی معاشروں کے گہرے مطالعے کی ضرورت پیش آئی۔ اس دور میں استشراقی علم محض ایک اکادمی تجسس نہیں رہا، بلکہ یہ نو آبادیاتی مقاصد کے حصول اور مشرقی اقوام پر انتظامی و سیاسی تسلط قائم کرنے کا ایک باقاعدہ ادارہ جاتی آلہ بن گیا۔

مشرق کے مطالعے اور استعماری مفادات کے اس باہمی تعلق کی سب سے جامع تعبیر ایڈورڈ سعید (Edward Said) کے ہاں ملتی ہے۔ ان کے تجزیے کے مطابق استشراق اپنے جوہر میں ایک ایسا سیاسی مذہب اور اسلوبِ فکر ہے جسے مغرب کی جانب سے مشرق پر مسلط کیا گیا۔ یہ محض معروضی تحقیق کا نام نہیں بلکہ طاقت کے رشتوں (Power Relations) پر استوار ایک ایسا کارپوریٹ ادارہ (Corporate Institution) ہے جس کا مقصد مشرق کے بارے میں مخصوص بیانیہ تشکیل دینا، اس کی تنظیمِ نو کرنا اور اس پر مکمل فکری و سیاسی اختیار حاصل کرنا تھا[1]۔ طاقت اور علم کے اس تلازم نے مغربی تسلط کو ایک منظم فکری جواز فراہم کیا۔

نو آبادیاتی نظام کو مستحکم کرنے کے لیے حکمرانوں کو مقامی باشندوں کی نفسیات، رسم و رواج، عادات و اطوار، قوانین اور زبانوں سے واقفیت درکار تھی۔ چنانچہ استعماری سرپرستی میں مستشرقین نے مشرقی مذاہب، اسلامی شریعت، اور سماجی ساخت کے عمیق مطالعے کا آغاز کیا۔ ان مطالعات کا ایک بڑا سیاسی ہدف یہ تھا کہ مسلمان معاشروں کے داخلی خدوخال کو سمجھ کر ان پر حکمرانی کے مؤثر انتظامی ماڈلز تیار کیے جائیں۔ اس سائنسی اور لسانی پیش رفت نے نو آبادیاتی طاقتوں کو یہ سہولت فراہم کی کہ وہ مشرق کے علاقوں پر قبضہ کرنے کے بعد انہیں اپنی مستقل دسترس میں رکھ سکیں[2]۔ مزید برآں، اسی علمی بنیاد پر عرب اور اسلامی دنیا کے اندر سیاسی و سماجی تفریق کے بیج بو کر مغربی استعمار نے اپنے اقتدار کو طول دینے کی حکمتِ عملی مرتب کی[3]۔

علمی تحقیق اور سیاسی اقتدار کے اس گٹھ جوڑ نے مشرق کے بارے میں ایک مخصوص معرفتی بیانیہ (Epistemic Discourse) مرتب کیا۔ استشراقی لٹریچر میں ایک مستحکم ثنویت (Binary Opposition) قائم کی گئی، جس کے تحت مغرب کو عقلانیت، ترقی، اخلاقیات اور جدیدیت کا استعارہ قرار دیا گیا، جبکہ مشرق کو جامد، غیر عقلی اور استبدادی معاشرے کے طور پر پیش کیا گیا۔ اس "تصوراتی جغرافیے "

---

[1] ایڈورڈ سعید، الاستشراق، مترجم کمال ابو دیب (بیروت: مؤسسۃ الابحاث العربیۃ، 1984ء)، 38-39۔

[2] اسلام اور مستشرقین، جلد 6 (اعظم گڑھ: دار المصنفین شبلی اکیڈمی)، 258۔

[3] مصطفی السباعی، الاستشراق والمستشرقون: ما لہم وما علیہم (کویت: مکتب دار البیان، 1968ء)، 37-38۔

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4, No.1, 2026

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

(Imaginative Geography) کا بنیادی سیاسی مقصد یہ تھا کہ مغربی استعمار اور اس کی فکری وصایت کو اخلاقی اور تہذیبی سطح پر حق بجانب ٹھہرایا جاسکے۔ گویا مشرق کی پسماندگی اور جمود کو سائنسی انداز میں ثابت کر کے یورپی حکمرانی کو ایک تاریخی ضرورت بنا کر پیش کیا گیا۔

تاہم، استشراق کے سیاسی پہلوؤں کا جائزہ لیتے ہوئے یہ توازن برقرار رکھنا ضروری ہے کہ تمام مستشرقین شعوری طور پر استعماری ایجنٹ یا سیاسی نمائندے نہیں تھے۔ ان میں ایک معتدبہ تعداد ایسے غیر جانبدار محققین کی بھی تھی جن کا بنیادی مقصد محض علمی دریافت، لسانی تحقیق اور قدیم متون کا مطالعہ تھا۔ لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ مسلّم ہے کہ انفرادی نیتوں سے قطع نظر، استشراق کا مجموعی ادارہ جاتی ڈھانچہ اور اس کے پیدا کردہ علم کا بیشتر حصہ غیر متوازی طاقت کے رشتوں کے تابع رہا، اور مغربی حکومتوں نے اس علمی ذخیرے کو اپنے سیاسی و نوآبادیاتی مفادات کے لیے بھرپور اور نہایت مؤثر انداز میں استعمال کیا۔

2.3 معاشی، تجارتی اور استحصالی اہداف

تحریکِ استشراق کے مقاصد کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے جہاں مذہبی اور سیاسی محرکات نمایاں نظر آتے ہیں، وہیں معاشی، تجارتی اور استحصالی اہداف بھی اس کے بنیادی محرکات میں شامل رہے ہیں۔ یورپی استعمار کی توسیع کے ساتھ ساتھ، مغربی طاقتوں کو مشرق کے تجارتی راستوں، منڈیوں اور قدرتی وسائل پر تسلط قائم کرنے کے لیے ان معاشروں کے عمیق مطالعے کی ضرورت پیش آئی۔

مشرقی اقوام کے مطالعے کا دائرہ محض ان کی زبانوں، عقائد اور تہذیب تک محدود نہیں رہا، بلکہ اس نے منظم انداز میں ان ممالک کی "ثروات اور امکانات" (قدرتی وسائل اور صلاحیتوں) کے سائنسی تجزیے کو بھی اپنی تحقیق کا باقاعدہ حصہ بنایا[1]۔ مغربی محققین اور مستشرقین نے اسلامی دنیا کے نظام، معیشت اور جغرافیائی اہمیت کا تفصیلی مطالعہ کیا، تاکہ یورپی تجارتی کمپنیوں اور نوآبادیاتی منتظمین کو وہ بنیادی اور زمینی معلومات فراہم کی جاسکیں جو مقامی منڈیوں اور وسائل کے استحصال کے لیے ضروری تھیں۔

اس معاشی اور تجارتی ضرورت نے استشراق کے علمی دھارے کو روایتی لغوی تحقیق سے نکال کر جدید سماجی علوم تک وسعت دی۔ معروف محقق ڈاکٹر رضوان السید اس علمی منتقلی کی نشان دہی کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ استشراق کا علم محض ایک دائرے تک محدود نہیں رہا، بلکہ یہ تاریخ، عمرانیات (Sociology)، بشریات (Anthropology) کے ساتھ ساتھ اقتصادیات (Economics) اور سیاست جیسے متنوع اور جدید تخصصات میں داخل ہو گیا ہے[2]۔ مشرقی معیشت، سماجیات اور پیداواری ذرائع کے اس ہمہ گیر مطالعے کا ایک بڑا مقصد مشرقی منڈیوں اور خام مال کی فراہمی پر مغربی گرفت کو مضبوط اور منظم کرنا تھا۔

علم، تجارت اور نوآبادیاتی اقتدار کا یہ باہمی ربط اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ مشرقی معاشروں کے وسائل کی نقشہ کشی اور ان کی سماجی ساخت کی سائنسی درجہ بندی کو مغربی استحصالی منصوبہ بندی کے لیے بطور خام مال استعمال کیا گیا۔ تاہم، تاریخی توازن کے لیے یہ فرق ملحوظ رکھنا ناگزیر ہے

[1] انور محمود زناتی، "مفہوم الاستشراق" (شبکۃ الألوکۃ، 2012ء)۔ زناتی استشراقی مطالعے کی وسعت بیان کرتے ہوئے واضح کرتے ہیں کہ اس میں عقیدہ و شریعت کے ساتھ ساتھ اسلامی ممالک کی "نظم وثروات وإمکانات" (نظام، وسائل اور امکانات) کا مطالعہ بھی شامل رہا ہے۔

[2] انور محمود زناتی، "مفہوم الاستشراق" (ڈاکٹر رضوان السید کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے)۔

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4, No.1, 2026

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

کہ ہر انفرادی مستشرق کسی تجارتی کمپنی یا معاشی ایجنڈے کا براہِ راست آلہ کار نہیں تھا؛ بہت سے اہلِ علم کی تحقیق کا محرک خالصتاً علمی نوعیت کا تھا۔ لیکن بحیثیتِ مجموعی، استشراق کے ادارہ جاتی ڈھانچے نے مشرقی وسائل پر مغربی تجارتی اجارہ داری کو ایک مضبوط فکری اور معلوماتی بنیاد ضرور فراہم کی۔

دوسری جنگِ عظیم کے بعد جب استعمار کی روایتی شکلیں تبدیل ہوئیں، تو مستشرقین کا روایتی لبادہ اتار کر جدید "ایریا اسٹڈی اسپیشلسٹ (Area Study Specialists) کے طور پر ابھرنا بھی اسی معاشی و تزویراتی ضرورت کا مظہر تھا[1]، جہاں مخصوص خطوں کے مالیاتی، سماجی اور جغرافیائی حقائق کو سمجھنا مغربی طاقتوں کے عالمی تجارتی مفادات کے لیے ایک ناگزیر ضرورت بن چکا تھا۔

2.4 خالص علمی و اکیڈمک مقاصد: تحریکِ استشراق کے مقاصد کا تجزیہ کرتے ہوئے محض تبشیری، استعماری یا تجارتی محرکات پر توجہ مرکوز کر دینا تاریخی حقائق کی مکمل عکاسی نہیں کرتا۔ استشراقی روایت کا ایک نہایت اہم اور روشن پہلو وہ خالص علمی اور اکیڈمک مقاصد رہے ہیں، جن کا بنیادی ہدف علم کا حصول، زبان و ادب کی دریافت، اور مشرقی تہذیب و تاریخ کا معروضی مطالعہ تھا۔ علمی اور فیلولوجیکل (Philological) مقاصد کی موجودگی اس حقیقت کو اجاگر کرتی ہے کہ تمام مستشرقین سیاسی یا مذہبی ایجنڈے کے پابند نہیں تھے، بلکہ ان میں ایک معتدبہ تعداد ایسے غیر جانبدار محققین کی بھی تھی جن کا مقصد محض علم اور قدیم متون کی تلاش تھا[2]۔

ان خالص علمی مقاصد میں زبانوں اور ادبیات کے مطالعے کو مرکزی حیثیت حاصل رہی۔ مغربی اہلِ علم نے عربی، فارسی، ترکی اور دیگر مشرقی زبانوں کو محض رابطے کے آلے کے طور پر نہیں، بلکہ باقاعدہ سائنسی اور لسانی تحقیق کے موضوع کے طور پر اپنایا۔ کلاسیکی اکادمی اور فلولوجیکل مکتبِ فکر، جس کی نمائندگی سلفسٹر ڈی ساسی (Silvestre de Sacy) جیسے محققین کرتے ہیں، کے نزدیک استشراق کا اصل محور ہی مشرقی زبانوں، ادبیات، تواریخ اور ادیان کا سائنسی مطالعہ تھا۔ زبان کی ساخت، نحو، لغات اور ادبی ذخیرے پر کی جانے والی اس تحقیق نے تقابلی لسانیات (Comparative Linguistics) کی بنیادیں استوار کیں، جس سے مغربی دنیا کو مختلف تہذیبوں کے ارتقائی مراحل سمجھنے میں غیر معمولی مدد ملی۔

زبان اور ادب کے اسی خالص علمی تجسس نے مستشرقین کو اسلامی تاریخ، فلسفہ، فقہ اور کلام جیسے موضوعات کی طرف راغب کیا۔ ان علوم کو ان کے اصل اور مستند مآخذ سے سمجھنے کی علمی ضرورت نے مخطوطات کی تلاش کا رجحان پیدا کیا۔ ان محققین نے دنیا بھر کی لائبریریوں کی چھان بین کر کے نایاب عربی و اسلامی مخطوطات دریافت کیے، ان کی باقاعدہ فہارس مرتب کیں، اور قدیم متون کو جدید تنقیدی معیارات (Critical Editions) کے ساتھ شائع کیا۔ اگرچہ ان تدوینی اور تحقیقی خدمات کی تفصیلی بحث اگلے باب کا حصہ ہے، تاہم یہاں یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ اس زبردست محنت کا بنیادی محرک قدیم علمی ورثے کی حفاظت اور اسے عالمی اکیڈمک دنیا کے لیے قابلِ مطالعہ بنانا تھا۔

---

[1] سید ابوالحسن علی ندوی، *الاسلامیات بین کتابات المستشرقین* (بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، 1986ء)، 15-16۔

[2] "استشراق کا تاریخی ارتقاء، مناہج، مقاصد اور اہم تصنیفات"، ماخوذ از فراہم کردہ مصادرِ استشراق۔ (یہاں ان محققین کا ذکر ہے جن کا مقصد محض علم، متون کی تلاش اور زبان کا مطالعہ تھا)۔

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4, No.1, 2026

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

خالص اکیڈمک مقاصد کے تحت مشرقی مصادر پر جدید تحقیقی مناہج، خصوصاً تاریخی-تنقیدی (Historical-Critical Method) اور متنی تنقید کے اصولوں کا اطلاق کیا گیا۔ اس منہجی پیش رفت کا مقصد روایات اور متون کو سائنسی اصولوں پر پرکھنا تھا۔ تاہم، علمی دیانت اور معروضی تحقیق کی اس جستجو میں بعض اوقات مغربی عقلیت پسندی کا ایسا غلبہ ہوا کہ اسلامی علوم کے بنیادی مفروضات—جیسے وحی کی حقانیت اور تدوینِ حدیث کا عمل—کو ریڈیکل تشکیک (Radical Skepticism) کی نظر کر دیا گیا۔ اس تشکیک کے باوجود، یہ حقیقت اپنی جگہ مسلّم ہے کہ ان محققین کا اصل ہدف اسلام کو بحیثیت مذہب نشانہ بنانا نہیں تھا، بلکہ وہ اپنے مخصوص مغربی اکیڈمک فریم ورک کے تحت متون کی تاریخی حیثیت کا تجزیہ کر رہے تھے۔

مختلف مصادر کے اس تقابلی مطالعے سے یہ مصنفانہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ خالص علمی مقاصد نے مشرق کے مطالعے کو یکسر تبدیل کر کے رکھ دیا۔ انہی اکیڈمک محرکات کی بدولت مشرقی علوم مغربی جامعات میں ایک باقاعدہ اور منظم ڈسپلن (Academic Discipline) کی حیثیت اختیار کر گئے۔ اس علمی رویے نے استشراق کو محدود مناظرانہ اور استعماری دائروں سے نکال کر ایک ایسی مضبوط تحقیقی بنیاد فراہم کی، جس پر آگے چل کر عصرِ حاضر کے "اسلامی مطالعات (Islamic Studies) "اور ثقافتی علوم کی عمارت استوار ہوئی۔

3.1 نایاب اسلامی مخطوطات کی دریافت، تحفظ اور فہارس سازی

تحریکِ استشراق کی علمی خدمات کے باب میں نایاب اسلامی مخطوطات کی دریافت، جمع آوری اور ان کا سائنسی تحفظ ایک نہایت وقیع اور اساسی کارنامہ ہے۔ مغربی اہلِ علم نے محض ثانوی مصادر پر اکتفا کرنے کے بجائے دنیا بھر کے کتب خانوں، قدیم علمی مراکز اور نجی ذخیروں کی چھان بین کر کے عربی، فارسی اور دیگر مشرقی زبانوں کے نادر مخطوطات تلاش کیے۔ ان مخطوطات کو یورپی جامعات، تحقیقی اداروں اور قومی کتب خانوں میں منتقل کر کے محفوظ کیا گیا۔ اگرچہ اس منتقلی اور حصول کے پسِ پردہ بعض اوقات استعماری رسوخ اور سیاسی غلبے نے بھی اپنا کردار ادا کیا، لیکن اس کا ایک اہم علمی نتیجہ یہ نکلا کہ موسمی حالات، عدم توجہی یا جنگوں کی نذر ہونے والا یہ بیش قیمت تہذیبی سرمایہ جدید سائنسی خطوط پر محفوظ ہو گیا۔

مخطوطات کی محض جمع آوری سے زیادہ اہم اور پیچیدہ مرحلہ ان کی درجہ بندی اور فہارس سازی (Cataloging) تھا۔ مستشرقین نے ان بکھرے ہوئے اور غیر منظم ذخائر کی موضوعاتی، تاریخی اور لسانی بنیادوں پر تفصیلی فہرستیں مرتب کیں۔ اس اشاریہ سازی نے مخطوطات کے تعارف اور ان کے مندرجات کو اس طرح منظم کیا کہ کسی بھی مخصوص موضوع پر بنیادی ماخذ تک رسائی انتہائی آسان ہو گئی۔ ایک مخطوطہ اس وقت تک علمی دنیا کے لیے بے کار ہوتا ہے جب تک اس کی موجودگی اور موضوع کا علم نہ ہو؛ مستشرقین کی فہارس نے اس خلا کو پُر کیا اور مشرقی و مغربی محققین کو ایک منظم اشاریہ فراہم کیا۔

اس علمی خدمت کے نتیجے میں اسلامی علوم—جیسے تفسیر، حدیث، فقہ، تاریخ، فلسفہ اور ادب—کے تحقیقی مطالعے میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ نایاب متون کی دریافت سے ماضی کے کئی گمشدہ علمی اور فکری پہلو نمایاں ہوئے، جس نے کلاسیکی متون کی تنقیدی تدوین اور اشاعت کے لیے ایک مستحکم اور ناگزیر بنیاد فراہم کی۔

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4, No.1, 2026

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

مسلم اہلِ علم نے، جو عام طور پر استشراقی مقاصد اور مناہج کے سخت ناقد رہے ہیں، مخطوطات کے حوالے سے مستشرقین کی اس خدمت کا کھلے دل سے اعتراف کیا ہے۔ معروف مفکر ڈاکٹر محمود حمدی زقزوق، جنہوں نے استشراق کو تہذیبی کشمکش کا فکری کارخانہ قرار دیا، وہ بھی برملا تسلیم کرتے ہیں کہ مستشرقین نے تراثِ اسلامی کی تحقیق، اشاعت اور بالخصوص مخطوطات کی فہرسنگ میں گراں قدر کام کیا ہے[1]۔

تاہم، اس اعتراف کے ساتھ ساتھ عصری مسلم علمی شعور میں یہ احساس بھی بیدار ہوا ہے کہ اسلامی ورثے کے تحفظ کے لیے محض مغربی کتب خانوں یا مستشرقین کی تیار کردہ فہارس پر دائمی انحصار مناسب نہیں۔ جدید مسلم محققین اس بات پر زور دیتے ہیں کہ اب عالمِ اسلام کے اپنے تحقیقی اداروں کو چاہیے کہ وہ جدید کوڈیکولوجی (Codicology)، ڈیجیٹل ڈاکیومنٹیشن، اور ریڈیو کاربن ڈیٹنگ جیسی سائنسی ٹیکنالوجیز پر مکمل دسترس حاصل کریں، تاکہ وہ اپنے فکری و ثقافتی ورثے کی تدوین، فہرست سازی اور حفاظت کا فریضہ خود سائنسی بنیادوں پر سرانجام دے سکیں۔ یہ علمی تبدیلی اس بات کی غماز ہے کہ مستشرقین کی ابتدائی خدمات نے جہاں اسلامی متون کو محفوظ کیا، وہیں مسلم دنیا کو اپنے علمی ورثے کی جدید سائنسی خطوط پر نگہداشت کا شعور بھی بخشا۔

3.2 کلاسیکی متون کی تنقیدی تدوین اور اشاعت

مستشرقین کی علمی خدمات میں مخطوطات کی محض دریافت و جمع آوری ہی شامل نہیں، بلکہ ان کا ایک نہایت وقیع اور پائیدار کارنامہ کلاسیکی اسلامی متون کی تنقیدی تدوین (Critical Editing) اور ان کی اشاعت ہے۔ جب مغربی کتب خانوں میں عربی، فارسی اور دیگر مشرقی زبانوں کے مخطوطات کا بڑا ذخیرہ جمع ہو گیا، تو مغربی علمی اداروں اور محققین نے ان نایاب علمی خزانوں کو محض محفوظ رکھنے کے بجائے انہیں جدید محققین کے لیے قابلِ مطالعہ بنانے کی غرض سے ان کی تصحیح اور طباعت کا باقاعدہ آغاز کیا۔

کلاسیکی متون کی تدوین کے لیے مستشرقین نے جدید علمی اور سائنسی اصول وضع کیے، جن کی بنیاد فلولوجیکل (Philological) اور متنی تنقید (Textual Criticism) پر استوار تھی[1]۔ کسی بھی متن کو شائع کرنے سے قبل دنیا بھر کے کتب خانوں سے اس کے دستیاب قلمی نسخوں کو اکٹھا کیا جاتا اور ان کا باہمی تقابل (Collation) کیا جاتا تھا۔ اس عمل کے دوران کاتب کی غلطیوں، الحاقات اور مختلف نسخوں کے درمیان پائے جانے والے الفاظ اور عبارات کے اختلافات کی باریک بینی سے نشاندہی کی جاتی۔ مستشرقین کا علمی طریقہ کار یہ تھا کہ وہ متن میں اپنی طرف سے ترمیم کرنے کے بجائے، ان تمام اختلافات کو حاشیے میں "فروقِ نسخ (Critical Apparatus)" کے طور پر درج کر دیتے، تاکہ قاری اور محقق اصل اور مستند ترین متن تک خود رسائی حاصل کر سکے۔

اس سائنسی اور تنقیدی منہج کے نتیجے میں عربی ادب، تاریخ، فقہ اور فلسفے کے وہ بے شمار بنیادی متون جو صدیوں سے محض چند طاقچوں کی زینت بنے ہوئے تھے، زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر عالمی علمی برادری کے سامنے آ گئے۔ سلفسٹر ڈی ساسی (Silvestre de Sacy) اور کلاسیکی اکادمی مکتبِ فکر کے دیگر محققین کے قائم کردہ اس رجحان نے متون کی تصحیح و اشاعت کو ایک باقاعدہ سائنسی ڈسپلن بنا دیا[2]۔ مغربی جامعات، تحقیقی اداروں اور

[1] محمود حمدی زقزوق، الاستشراق والخلفية الفكرية للصراع الحضاري (قاہرہ: دار المعارف، 1993ء)۔

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4, No.1, 2026

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

اشاعتی مراکز نے ان ضخیم کلاسیکی کتب کے تحقیقی ایڈیشنز شائع کیے، جس نے مشرق و مغرب دونوں کے محققین کے لیے بنیادی اسلامی مصادر تک رسائی کو بے حد آسان بنا دیا۔

اس تدوینی عمل کی علمی افادیت اس قدر مسلمہ ہے کہ مسلم اہلِ علم، جو استشراق کے سیاسی اور تبشیری اہداف کے شدید ناقد رہے ہیں، وہ بھی مستشرقین کی اس خالص فنی اور تکنیکی خدمت کا کھلے دل سے اعتراف کرتے ہیں۔ مستشرقین کی شائع کردہ ان کلاسیکی کتب نے جدید اسلامی مطالعات کو ایک ٹھوس اور مستحکم بنیاد فراہم کی، کیونکہ اب محققین کو بکھرے ہوئے اور بوسیدہ مخطوطات کی خاک چھاننے کے بجائے ایک مستند، معیاری اور تقابلی مطبوعہ متن میسر آ گیا تھا۔

تاہم، علمی دیانت اور تاریخی توازن کا تقاضا ہے کہ اس تدوینی عمل کی بعض حدود کو بھی ملحوظ رکھا جائے۔ تمام مستشرقین کا تدوینی کام یکساں معیار کا حامل نہیں تھا۔ جہاں بہت سے محققین نے متون کی تدوین میں کمالِ مہارت اور غیر جانبداری کا ثبوت دیا، وہیں بعض اوقات متنی تنقید کے دوران مغربی عقلیت پسندانہ معیارات اور تاریخی ریڈیکل تشکیک (Radical Skepticism) کو اس حد تک مسلط کیا گیا کہ اسلامی علوم کے بنیادی مفروضات اور روایتی اسناد کے حوالے سے شکوک پیدا ہو گئے[3]۔ مسلم محققین کے نزدیک متون کی ظاہری تصحیح ایک قابلِ تحسین عمل ہے، لیکن ان کی تعبیر اور داخلی اسناد کو خالص استشراقی فریم ورک میں پرکھنا بعض اوقات متن کی اصل روح اور تہذیبی پس منظر کو مجروح کر دیتا ہے۔ ان اختلافی پہلوؤں کے باوجود، کلاسیکی متون کی دریافت، ان کا تقابل اور تنقیدی اشاعت مغربی علمی اداروں کا ایک ایسا غیر معمولی کارنامہ ہے جس نے اسلامی علوم کی جدید تحقیق میں انقلابی تبدیلیاں برپا کیں اور علم کے بے شمار نئے دروازے کھولے۔

3.3 لغت نگاری، معاجم اور انسائیکلوپیڈیاز کی تدوین

مستشرقین کی علمی خدمات میں لغت نگاری، معاجم کی تیاری اور انسائیکلوپیڈیائی کام کو ایک اساسی اور کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ مشرقی معاشروں اور اسلامی متون کے مطالعے کے لیے سب سے بنیادی شرط زبان سے واقفیت تھی۔ مستشرقین کا یہ طے شدہ علمی موقف رہا ہے کہ مشرق کو اس کے اپنے مصادر کی روشنی میں سمجھنے کے لیے مشرقی زبانوں—بالخصوص عربی، فارسی اور ترکی—پر کامل عبور ناگزیر ہے۔ البیرٹ ڈیٹرش (Albert Dietrich)اور روڈی پارٹ (Rudi Paret) جیسے محققین کے نزدیک استشراق دراصل "فقہ اللغہ (Philology) "ہی کا نام ہے، جس کے بغیر مستند اور سائنسی نتائج تک رسائی ناممکن ہے۔ اسی لسانی ضرورت نے مغربی جامعات اور تحقیقی اداروں میں لغت نگاری اور قواعدِ زبان کی تدوین کے باقاعدہ رجحان کو جنم دیا۔

اس سلسلے میں مستشرقین نے عربی زبان کے الفاظ، مادوں اور پیچیدہ اصطلاحات کو مغربی محققین کے لیے قابلِ فہم بنانے کی غرض سے گراں قدر کام کیا۔ فرانسیسی مستشرق سلفسٹر ڈی ساسی (Silvestre de Sacy) کی جانب سے 1810ء میں شائع ہونے والی تصنیف "النحو العربی " (Grammaire arabe)اس میدان میں ایک بنیادی اور اساسی کاوش تسلیم کی جاتی ہے، جس نے مغربی دنیا میں عربی قواعد کے سائنسی مطالعے کی بنیاد رکھی۔ اسی طرح عربی اور یورپی زبانوں کے مابین- لسانی (Bilingual) معاجم مرتب کی گئیں، جن میں ہانس وہر (Hans

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4, No.1, 2026

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

(Wehr کی "عربی، انگریزی معجم" جیسی تالیفات نمایاں ہیں، جنہوں نے عربی الفاظ اور اسلامی اصطلاحات کے مستند مغربی متبادلات فراہم کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

لغات اور قواعد کی تدوین کے ساتھ ساتھ، مستشرقین نے اسلامی تاریخ، عقائد، شخصیات، مقامات اور فقہی و کلامی مباحث کو ایک جگہ منظم کرنے کے لیے جامع انسائیکلوپیڈیاز اور حوالہ جاتی کتب (Reference Books) مرتب کرنے پر بھی بھرپور توجہ دی۔ استشراقی روایت کا ایک بڑا ہدف مشرقی معلومات کو مغربی سائنسی درجہ بندیوں کے تحت ایک منظم "معرفتی بیانیے (Epistemic Discourse) "میں ڈھالنا تھا۔ انسائیکلوپیڈیاز کی تدوین اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی جس کے ذریعے بکھرے ہوئے مشرقی علوم کو ادارہ جاتی اور سائنسی شکل دی گئی تاکہ کسی بھی موضوع پر تحقیق کرنے والے مغربی عالم کو تمام بنیادی معلومات اور ان کے مآخذ ایک ہی جگہ دستیاب ہو سکیں۔

لغت نگاری اور انسائیکلوپیڈیاز کی اس تدوین نے علمی دنیا میں گہرے اثرات مرتب کیے۔ ان کاوشوں کی بدولت مغربی محققین کے لیے قرآنی الفاظ، احادیث کی اصطلاحات اور اسلامی تاریخ کے پیچیدہ تصورات کا مطالعہ منظم اور سہل ہو گیا۔ تاہم، اس علمی خدمت کا تنقیدی پہلو یہ ہے کہ چونکہ ان لغات اور حوالہ جاتی کتب میں اسلامی اصطلاحات کی تشریح و ترجمانی مخصوص مغربی فکری فریم ورک کے تحت کی گئی، اس لیے بعض اوقات اصل اسلامی مفہوم اور مغربی تعبیر کے درمیان ایک فکری خلیج بھی پیدا ہوئی۔ اس کے باوجود، معلومات کو سائنسی انداز میں مرتب کرنے، حوالہ جاتی کلیدیں (Indexes) بنانے اور عربی زبان کو جدید لغت نگاری کے معیارات پر استوار کرنے میں مستشرقین کا یہ کام آج بھی عالمی اسلامی مطالعات کے لیے ایک ناگزیر علمی آلے کا درجہ رکھتا ہے۔

3.4 مستشرقین کی خدمات پر مسلم اہلِ علم کا تعمیری و تنقیدی موقف

مستشرقین کی علمی خدمات اور ان کے پیدا کردہ وسیع لٹریچر پر مسلم اہلِ علم کا ردِ عمل محض یک طرفہ دفاعی یا جذباتی نہیں رہا، بلکہ یہ ایک متوازن اور بالغ النظر علمی رویے کا عکاس ہے جس میں تعمیری اعتراف اور سائنسی تنقید دونوں پہلو بہ پہلو چلتے ہیں۔ مسلم محققین نے استشراقی روایت کا جائزہ لیتے ہوئے اس کے تکنیکی اور منہجی فوائد کو تسلیم کیا، لیکن ساتھ ہی ان خدمات کے پس پشت کارفرما مخصوص فکری مفروضات اور تعصبات کا سخت علمی محاسبہ بھی کیا۔

مسلم اہلِ علم نے مستشرقین کی مخطوطاتی، لغوی اور تدوینی خدمات کو کھلے دل سے سراہا ہے۔ محققین، جیسے مصطفیٰ السباعی، برملا اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ مستشرقین نے عربی و اسلامی ورثے کی تدوین، تراجم اور کلاسیکی متون کو جدید سائنسی انداز میں محفوظ کرنے میں گراں قدر خدمات انجام دی ہیں[1]۔ ان کی تیار کردہ معاجم، انسائیکلوپیڈیاز اور مخطوطات کی فہارس نے جدید مسلم محققین کے لیے اپنے ہی بنیادی مصادر تک رسائی کو منظم اور سہل بنا دیا۔ مسلم دنیا کے علمی اداروں نے استشراقی تحقیق کے ان مثبت اور معروضی پہلوؤں سے بھرپور استفادہ کیا اور کلاسیکی متون کی جدید طباعت میں ان کے وضع کردہ تقابلی و تدوینی مناہج کو اپنایا۔

[1] مصطفیٰ السباعی، الاستشراق والمستشرقون: ما لہم وما علیہم (کویت: مکتب دار البیان، 1968ء)، 17-18۔

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4, No.1, 2026

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

اس تعمیری اعتراف کے باوجود، مسلم اہلِ علم نے مستشرقین کے تحقیقی مناہج اور ان کے اخذ کردہ نتائج پر کڑی تنقید کی ہے۔ یہ تنقید بنیادی طور پر اس بات پر ہے کہ مستشرقین نے متون کی ظاہری تصحیح تو کی، لیکن ان کی تعبیر میں عموماً معروضیت (Objectivity) کا دامن چھوڑ دیا۔ دار المصنفین کے محققین نے اس رویے کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بہت سے مستشرقین نے قرآن، سیرت اور اسلامی تاریخ کا مطالعہ ایک ایسے مخصوص زاویے سے کیا جس کی دوربین نگاہیں صرف وہ خامیاں تلاش کرتی رہیں جن سے اسلام کی ایک تاریک تصویر پیش کی جا سکے، بالکل اسی طرح جیسے کوئی میونسپلٹی کا انسپکٹر شہر میں صرف گندگی اور کچرا تلاش کرتا ہے[1]۔

منہجی اور سائنسی سطح پر مسلم محققین نے مستشرقین کی تاریخی ریڈیکل تشکیک (Radical Skepticism) کو چیلنج کیا۔ ایم ایم الاعظمی (M. M. Al-Azami) اور اے ایل طیباوی (A. L. Tibawi) جیسے جلیل القدر محققین نے جوزف شاخت اور دیگر مستشرقین کے قائم کردہ مفروضات کا انہی کے متنی اور تاریخی تنقید کے اصولوں پر محاکمہ کیا اور ثابت کیا کہ احادیث اور اسلامی فقہ پر ان کے اعتراضات سائنسی شواہد کے بجائے من مانی قیاس آرائیوں پر مبنی ہیں۔ اسی طرح فواد سیزگین (Fuat Sezgin) نے اپنی تفصیلی تحقیقات سے یہ ثابت کیا کہ استشراقی علمی بیانیے کا ایک مقصد سائنس اور فلسفے کی تاریخ میں مسلمانوں کے عظیم الشان کردار کو حاشیے پر دھکیلنا اور یونانی عقل کو مغربی ترقی کا واحد سرچشمہ ثابت کرنا تھا۔

محمود محمد شاکر جیسے عرب نقادین نے اس بات پر زور دیا کہ مستشرقین جب اسلامی علوم کا مطالعہ کرتے ہیں تو وہ اپنے مغربی ثقافتی، نوآبادیاتی اور مسیحی لاہوتی پس منظر سے مکمل طور پر الگ نہیں ہو پاتے، جس کی وجہ سے وہ اسلامی متون پر وہی تنقیدی معیار مسلط کرتے ہیں جو انہوں نے اپنے ہاں وضع کیا تھا[2]۔

مختلف مسلم علمی رویوں کے اس تقابل اور جائزے سے یہ مصنفانہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ مستشرقین کی خدمات سے علمی استفادہ اور ان کے نتائج پر تنقید ایک دوسرے کی ضد نہیں۔ مسلم محققین کا موقف یہ واضح کرتا ہے کہ علم کی تکنیکی جہت (جیسے لغت نگاری، فہرست سازی اور طباعت) ایک آلہ ہے جسے بلا جھجک قبول کیا جا سکتا ہے، لیکن جب اس آلے کو استعمال کرتے ہوئے کسی تہذیب یا مذہب کی داخلی روح، عقائد اور تاریخ کی تعبیر کی جائے تو اس میں محقق کی فکری وابستگی اور تعصبات کا شامل ہونا ایک فطری امر ہے۔ لہٰذا، مسلم اہلِ علم نے استشراق کی دی ہوئی ٹیکنالوجی اور مناہج کو تو اپنایا، لیکن ان مناہج سے پیدا ہونے والے فکری نتائج کو اسلامی علمیت (Islamic Epistemology) اور کڑی تاریخی جانچ کے فلٹر سے گزار کر ہی قبول کیا۔

خلاصۂ

[1] اسلام اور مستشرقین، جلد 6 (اعظم گڑھ: دار المصنفین شبلی اکیڈمی)، 258۔

[2] احمد حسن الزیات اور محمود محمد شاکر کے تنقیدی مواقف، ماخوذ از: نبیۃ لوصیف، "آلیات الخطاب الاستشراقي في قراءة المتن اللغوي، کتاب سیبویہ أنموذجا"، التأویل وتحلیل الخطاب، جلد 5، عدد 2 (اکتوبر 2024)، 27۔

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4, No.1, 2026

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

باب دوم کی تفصیلی بحث سے یہ علمی نتیجہ سامنے آتا ہے کہ تحریکِ استشراق کوئی یک جہتی یا جامد مظہر نہیں، بلکہ یہ صدیوں پر محیط ایک پیچیدہ تاریخی، فکری اور تہذیبی تعامل کا نام ہے۔ لغوی اعتبار سے "مشرق کی طلب" سے شروع ہونے والا یہ سفر قرونِ وسطیٰ کے کلیسائی مناظرانہ پس منظر سے گزر کر انیسویں اور بیسویں صدی میں ایک منظم ادارہ جاتی اور سائنسی ڈسپلن کی صورت اختیار کر گیا۔ مستشرقین نے اسلامی تاریخ، متون اور تہذیب کے مطالعے کے لیے لغوی، تاریخی اور متنی تنقید کے جدید مناہج وضع کیے، جنہوں نے مشرقی علوم کی تحقیق کو ایک نئی اور جدید جہت سے روشناس کرایا۔

اس تحریک کے اہداف و مقاصد کا تجزیہ ظاہر کرتا ہے کہ مستشرقین کے محرکات کسی ایک مخصوص ایجنڈے تک محدود نہیں تھے۔ ابتدائی دور میں اس کے پس پشت بنیادی طور پر دینی اور تبشیری مقاصد کارفرما تھے، جن کا ہدف اسلامی عقائد کے گرد شکوک پیدا کرنا اور مسیحی بیانیے کا دفاع کرنا تھا۔ بعد ازاں، یورپی استعمار کے پھیلاؤ کے ساتھ ہی اس نے سیاسی، انتظامی اور معاشی مفادات کا روپ دھار لیا، جس کے تحت مشرقی معاشروں، ان کی نفسیات اور وسائل کا منظم سائنسی مطالعہ کیا گیا تاکہ نو آبادیاتی تسلط کو مستحکم کیا جا سکے۔ تاہم، اس تصویر کا ایک روشن پہلو خالص علمی اور اکیڈمک دائرے پر مشتمل رہا، جس میں بہت سے محققین نے مذہبی یا استعماری تعصبات سے ہٹ کر محض زبان و ادب، تاریخ اور علم کی دریافت کے لیے گراں قدر کام کیا اور مشرق کے مطالعے کو جدید جامعاتی معیار عطا کیا۔

مستشرقین کی علمی خدمات کے باب میں ان کی سب سے وقیع اور دیرپا شراکت نایاب اسلامی مخطوطات کی دریافت، ان کا سائنسی تحفظ اور فہارس سازی ہے۔ بکھرے ہوئے قلمی نسخوں کو جمع کر کے اور ان کا تنقیدی تقابل کر کے کلاسیکی اسلامی متون کے جو تحقیقی ایڈیشنز شائع کیے گئے، انہوں نے اسلامیات کی جدید تحقیق کے لیے ایک وسیع اور مستند بنیاد فراہم کی۔ مزید برآں، لغت نگاری، معاجم اور جامع انسائیکلوپیڈیاز کی تدوین نے مغربی محققین کے ساتھ ساتھ خود مسلم علمی دنیا کے لیے بھی اپنے بنیادی مآخذ اور علمی اصطلاحات تک منظم رسائی کو بے حد سہل بنا دیا۔

مستشرقین کے اس وسیع علمی کام پر مسلم اہلِ علم کا ردِ عمل یک طرفہ یا محض جذباتی نہیں رہا، بلکہ یہ علمی قبولیت اور تنقید کا ایک متوازن امتزاج ہے۔ مسلم محققین نے جہاں ایک طرف مستشرقین کی مخطوطاتی، لغوی اور تدوینی خدمات کا کھلے دل سے اعتراف کیا اور ان کے وضع کردہ سائنسی مناہج کو اپنایا، وہیں دوسری طرف ان کے اخذ کردہ نتائج پر کڑی علمی گرفت بھی کی۔ مسلم نقطۂ نظر کے مطابق، متون کی ظاہری تصحیح ایک قابلِ تحسین فنی عمل ہے، لیکن ان کی تعبیر میں مغربی فکری مفروضات، تاریخی ریڈیکل تشکیک اور استعماری تعصبات کی آمیزش نے کئی فکری مغالطوں کو جنم دیا۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ استشراق کا علمی ذخیرہ جدید اسلامی مطالعات کے لیے ایک ناگزیر آلہ ہے، لیکن اس کی افادیت کو مسلم علمی روایت اور کڑی منہجی تنقید کی چھلنی سے گزار کر ہی درست طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔